تحقیق و تنقید

مکہ مکرمہ
البلد الامین کی حیثیت سے

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

مکہ مکرمہ کے بلدِ امین اور شہرِ حرام ہونے کی سب سے بڑی شہادت قرآن مجید میں ملتی ہے جس نے بلدِ امین کہہ کر اس کی عظمت و حرمت کی قسم کھائی ہے[1] حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ علماءِ اسلام و مفسرین کے نزدیک بلدِ امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے[2] ہند و پاک کے تمام مفسرین اور علماء نے بھی اس کی تائید کی ہے[3] ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ کو بلدِ امین اور شہرِ حرام قرار دینے کی وجہ وہاں اس چوکھونٹے بیت اللہ کی موجودگی ہے جس کو عرفِ عام میں خانۂ کعبہ کہا جاتا ہے[4] قرآنِ کریم ہی کی ناقابلِ تردید شہادت ہے کہ خدائے واحد و قدوس کی عبادت اور اس کے نیک و صالح بندوں کی عبودیت کے اظہار و اعلان کے لیے جو پہلا بیت اللہ تعمیر کیا گیا وہ یہی مکہ مکرمہ کا کعبہ و قبلہ ہے۔ کلامِ الٰہی نے اس کی تین نشانیاں بیان کی ہیں تاکہ کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے اور تحریف و تبدیل کی قطعی تردید ہو جائے: اول یہ کہ وہ مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہانوں اور عالموں کے لیے منارۂ ہدایت ہے۔ دوم اس میں آیاتِ بینات اور واضح نشانیاں ہیں جن میں ایک مقامِ ابراہیم ہے اور سوم یہ کہ اس میں جو داخل ہوتا ہے وہ ہر طرح سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے[5] اس کا لازمی تقاضا یہ ہوا کہ صاحبانِ استطاعت و مالکانِ نصاب پر اس کا حج فرض ہوا اور جو اس کا منکر ہو وہ کافر ہے[6] قرآنِ مجید کے اس واضح بیان سے مستشرقین اور جدید مورخین کی ان غلط بیانیوں اور ہرزہ سرائیوں کی تردید ہو جاتی ہے جو انھوں نے اولین بیت اللہ کے سلسلہ میں کی ہیں۔ ہمارے بعض جدید و معاصر علماء و مفسرین نے تورات و انجیل اور دوسری قدیم کتبِ سماوی اور صحائفِ قدیمہ سے ان گنت شہادتیں

فراہم کی ہیں جن سے قرآن مجید کے بیان کی حرف بحرف تائید و تصدیق اور اسلام دشمن مورخین و مصنفین کے مزعوماتِ خام کی صاف تردید ہوتی ہے۔ ان علمائے اسلام و حامیانِ دینِ متین میں سرفہرست سرسید احمد خاںؒ، مولانا حمید الدین فراہیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ ہیں جنھوں نے اپنی تحقیقات کے ذریعہ قرآن مجید کے مذکورہ بالا بیان کی تائیدی شہادتیں فراہم کی ہیں اگرچہ اہلِ ایمان و یقین کے لیے کلام الٰہی کا اعلان کافی ہے۔

چونکہ شہر مکہ معظمہ کی حرمت و امانت کا تعلق خانۂ کعبہ سے جڑا ہوا ہے اس لیے یہ ظاہر ہے کہ جس دن بیت اللہ تعمیر ہوا تھا اسی دن سے اس شہر اقدس کی حرمت و امانت بھی قائم ہے۔ مفسرینِ کرام کا عام خیال یہ ہے کہ تعمیر خانۂ کعبہ اصلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کارنامہ ہے جو انھوں نے اپنے فرزند اکبر و ذبیح اعظم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد و اعانت سے انجام دیا تھا۔[11] قرآنِ کریم کی ایک آیتِ عالیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائی تھیں اور تعمیر کے وقت جناب الٰہی میں اپنی دعا کی قبولیت کی درخواست کی تھی کہ اس شہر کو شہر امن بنا دے اور اس کے مومن و صالح باشندوں کو ہر طرح کی پیداوار از قسم اناج و میوہ جات سے نوازے۔ رحمتِ الٰہی نے نہ صرف مومن باشندگانِ مکہ کو امن و روزی کی برکتوں سے نوازا بلکہ کافر و ملحد اور سرکش و باغی ساکنینِ شہر کو بھی دنیاوی امن و چین اور مادی روزی کی نعمتوں سے بہرہ ور کیا کیونکہ شہرِ امن کی آغوش میں اپنوں اور بیگانوں سب کے لیے جگہ تھی۔[12] محققین کے ایک گروہ کا خیالِ پختہ ہے کہ بیت اللہ کی تعمیرِ اول بہت قدیم ہے اور "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی منہدم و بے نشان عمارت کی دوبارہ بنیاد اٹھا کر بلند کی"۔[13] کتاب 'اخبار مکۃ المشرفۃ' کے مصنف ابو الولید محمد بن عبداللہ ازرقی (متوفی ھ) نے اس موضوع پر متعدد روایات جمع کی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ تعمیر کعبہ تخلیقِ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی قبل کا واقعہ ہے جو فرشتگانِ افلاک کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا تھا اور بعد میں حضرت آدم علیہ السلام نے انسانوں میں اول اول اس کی تعمیر کی اور اس کا حج قائم کیا۔ امتدادِ زمانہ اور طوفانِ نوح علیہ السلام کے سبب بیت اللہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند و جانشینِ اکبر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی معاونت سے اس کی از سرِ نو تعمیر کی۔[14]

اگرچہ ازرقی کی بیان کردہ بیشتر روایات جو دورِ ابراہیمی سے قبل خانۂ کعبہ کی تعمیر کا پتہ دیتی ہیں جدید مورخین کے ایک بڑے طبقہ کے نزدیک اساطیری ہیں اور تاریخ کی تائید سے محروم ہیں[15] تاہم قرآن مجید کی بعض آیات اور متعدد احادیث نبوی اور اسلامی روایات سے یہ بہرحال واضح ہوتا ہے کہ دورِ براہیمی سے قبل بھی بیت اللہ کا وجود تھا کیونکہ خانۂ کعبہ کو اولین خانۂ خدا کہا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ بعثتِ انبیاء کے اولین واقعہ سے منطقی طور سے منسلک تھا۔ ایک دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی ذریت کو "وادیٔ غیر زرع" میں بسایا تھا تو بارگاہِ الٰہی میں ان کی حفاظت و پرورش کی التجا کرتے ہوئے "بیت اللہ المحرم" کا حوالہ دیا تھا[16] منطقی طور سے یہ دعا ذریتِ ابراہیمی کو وادیٔ بے آب وگیاہ میں پہلی بار بسانے کے وقت کی گئی تھی جس کا اعادہ ممکن ہے ازسرِ نو تعمیر کعبہ کے بعد بھی کیا گیا ہو جیسا کہ بعض دوسری آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے[17] ایک حدیثِ نبوی سے جو ازرقی اور دوسرے ابتدائی سیرت نگاروں اور مورخوں اور مفسروں نے بیان کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی حرمت تخلیقِ ارض وسماء کے وقت سے قائم ہے[18] اس نقطۂ نظر کے مطابق موجودہ تعمیرِ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے جو قدیم بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔

تعمیر و بناءِ کعبۂ مکرمہ پر نقطۂ نظر کے اس اختلاف کے باوجود حرمتِ کعبہ پر سب کا اتفاق ہے کہ جس دن سطحِ زمین پر اس کی تعمیر کی گئی تھی اسی دن سے وہ حرمِ محترم واقدس ہے۔ تاریخ وروایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دورابراہیمی سے قبل خانۂ کعبہ کے وجود اور نام ونشان سے بعض زمانوں میں لاعلمی رہی لیکن از عہدِ براہیمی تا ایں دم خانۂ کعبہ اپنا مسلسل وجود اور مسلسل تاریخ رکھتا ہے اور اس دن سے آج تک وہ مومنوں کا قبلہ اور اسلام کا مرکزِ اول رہا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ برابر مقدس ومتبرک مقام اور حرمِ اعظم رہا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہ اپنی تعمیر کے وقت سے امن کا گھر اور آشتی کا معبد بھی رہا ہے اور اس کی اس حیثیت میں کبھی نہ تو فرق آیا اور نہ کوئی تبدیلی ہوئی۔ قبائلی عہد کے خونخوار وخونریز نشیب وفراز سکونت وحکومت کے انقلابات اور خلافت وسلطنت کے تغیر وتبدل کے دوران بھی وہ امن وامان اور صلح وآشتی کا گھر بنا رہا ہے[19]

یہ دلچسپ واہم حقیقتِ واقعہ ہے کہ خانۂ کعبہ اپنے حدود ہی کے اندر مقام امن

نہیں رہا بلکہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ عالمی امن و آشتی کا مرکز بنتا چلا گیا اور آج اس کی حیثیت سارے آفاق کے لیے عظیم منارۂ امن کی ہے۔ بنیادی طور سے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ، احادیثِ نبویہ اور روایات تاریخی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً اور اصلاً بیت اللہ ہی حرم اور مقامِ امن تھا۔ کیونکہ قرآن مجید نے اسی کو بیت حرام، مَثَابَۃً لِلنَّاسِ (لوگوں کا مرجع و ٹھکانا) اور خانۂ امن قرار دیا ہے[20] پھر اس کی حرمت اور امانت اس مسجد حرام تک وسیع ہوئی جو اس اولین خانۂ خدا کے چاروں طرف وجود میں آئی[21] مسجدِ حرام کی تعمیر بھی قدیم زمانہ کی ہے اور اسی طرح اس کی صفتِ حرمت و امانت بھی قدیم ہے[22] جب حکمِ الٰہی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجِ بیت اللہ کے مناسک قائم کیے تو انھوں نے ازسرِ نو حدودِ حرم بھی متعین کیے تاکہ زائرین و حجاج ان کے اندر ہی احکامِ الٰہی بجالائیں[23] اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ تھا کہ بیت اللہ الحرام کی حرمت و امانت مسجدِ حرام اور اس کے احاطہ سے نکل کر شہرِ مکہ کے چاروں جانب ایک کافی وسیع رقبہ پر وسیع ہو گئیں اور اس طرح پورا شہرِ مکہ حرمِ اقدس اور مرکزِ امن و آشتی بن گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توفیقِ الٰہی اور فراستِ ایمانی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ جلد ہی ان کی ذریت کا مسکن مرجعِ خلائق اور مرکزِ اسلام بنے گا اس لیے انھوں نے اس کو شہرِ امن بنانے کی التجا بارگاہِ الٰہی میں کی تھی۔ قرآن مجید میں ان کی دعا کے الفاظ دو جگہ معمولی تبدیلیوں کے ساتھ وارد ہوئے ہیں جو بادی النظر میں چنداں اہم نہیں معلوم ہوتے مگر درحقیقت وہ شہرِ مکہ کے دو زمانوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۶ میں ان کے الفاظ کو قرآن مجید نے یوں نقل کیا ہے: وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا (اور جب کہا ابراہیم نے، اے رب! کر اس کو شہر امن کا.....) جبکہ سورۂ ابراہیم کی آیت ۳۵ کے الفاظ ہیں: وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا (اور جس وقت کہا ابراہیم نے، اے رب! کر اس شہر کو امن کا) اہلِ زبان و صاحبان ذوق جانتے ہیں کہ الفاظ کی معمولی تبدیلی سے قرآن مجید نے دو اہم واقعوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اول الذکر آیت کریمہ میں اسم اشارہ کا مشارٌ الیہ "خرابہ بے آب و گیاہ" ہے جو ہنوز شہر نہیں بنا تھا جبکہ ثانی الذکر آیتِ مقدسہ میں اسم اشارہ شہر کے ساتھ مل کر آیا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ اس وقت کی دعا ہے جب وہ شہر بن چکا تھا۔ گویا دعائے براہیمی "خرابہ بے آب و گیاہ" کو پہلے شہرِ امن بنانے کے لیے کی گئی تھی اور دوسری بار شہرِ مکہ کو بلدِ امین بنانے کے لیے۔

اور دونوں بار دعائے ابراہیمی بارگاہِ حق میں مقبول ہوئی۔

قرآن مجید میں کئی آیات میں واضح طور سے خانۂ کعبہ، مسجد حرام اور حرم مکہ اور شہر مکہ کے لیے الگ الگ الفاظ بیان ہوئے مگر بعض مقامات پر بیت اللہ اور مسجد حرام کہہ کر حرم مکہ اور شہر مقدس مراد لیا گیا ہے جیسا کہ قدیم و جدید مفسرین کرام کا متفقہ خیال ہے[۲۴] مثلاً یہ سورہ بقرہ، سورۂ مائدہ سورۂ توبہ اور سورۂ حج وغیرہ کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے[۲۵] درحقیقت قرآنی تعبیرات یہ اسی توسیع حرمت و امانت کی تائید و تصدیق ہے جو خانۂ کعبہ سے وسیع ہو کر مسجد حرام تک اور پھر اس کی چہار دیواری سے نکل کر حدود حرم اور حدود شہر مکہ تک وسیع ہو گئی تھی[۲۶]

تاریخ و روایات اور آثار و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خانۂ کعبہ کے بانی اول نے حدود حرم کی پہلے پہل تعیین بھی کی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تعمیر کعبہ اور اعلان حج کے وقت ان کی از سر نو تجدید و تعیین کی تھی۔ دور براہیمی کے بعد اگرچہ ان کی شریعت مطہرہ کے بیشتر قواعد و مناسک طاق نسیان کی زینت بن گئے تھے تاہم جاہلان عرب اور کافرین مکہ نے حدود حرم کی تجدید و تعیین میں کسی زمانے میں بھی غفلت نہیں برتی اور برابر مناسک و حدود کے ماہروں اور واقفکاروں کو ان کی تجدید و تعیین کے لیے مقرر کرتے رہے۔ عہد اسلامی کے تمام ادوار میں — از عہد نبوی تا دور معاصر — حدود حرم کی تجدید تعیین برابر ہوتی رہی ہے اور کبھی حرم اقدس اور حل وسیع کے درمیان اشتباہ نہیں پیدا ہونے دیا گیا ہے[۲۷]

ازرقی اور یاقوت حموی وغیرہ علما و مورخین کے مطابق حدود حرم مکہ کافی وسیع تھیں۔ موخر الذکر کا بیان ہے کہ "حرم مکہ کے لیے جو حد بندی کی گئی تھی وہ مختلف مناروں کے ذریعہ سے کی گئی تھی اور یہ منارے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قدیم زمانے میں قائم کیے تھے اور ان کا گھیر تقریباً دس میل کے برابر تھا جو ایک دن کی مسافت تھی۔ ان میں سے ہر ایک پر ایک نشان امتیاز تھا جو اسے دوسروں سے الگ کرتا تھا۔ قریش مکہ حرم کے باشندے ہونے کے سبب ان کو عہد جاہلیت اور دور اسلام میں بخوبی پہچانتے تھے اور وہ اس سے بھی واقف تھے کہ مناروں کے اندر کا حصہ حرم میں شامل ہے جبکہ اس سے باہر کا علاقہ اس سے خارج ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ نے قریش کے قائم و تجدید کردہ نشانات کی تائید و توثیق فرمائی اور بعد ہجرت مدینہ حضرت زید بن مربع انصاری کے ذریعہ قریش کو پیغام بھیجا کہ تم اپنے

مشاعر و مناسک پر قائم رہو کیونکہ تم وراثتِ براہیمی کے وارث ہو۔" مورخ موصوف نے بشاری کے حوالے سے جو حدودِ حرم بتائی ہیں وہ حسب ذیل ہیں: "حرم کو سفید نشانات و اعلام متعین کرتے ہیں۔ مغربی جانب میں مقیم تنعیم ہے جو تین میل پر ہے۔ شاہراہِ عراق کی جانب اس کی مسافت نو میل ہے۔ یمن کے راستے کی طرف سے وہ سات میل پر ہے جبکہ طائف کے راستے پر وہ بیس میل اور جادہ کے راستے پر وہ دس میل ہے۔"[۲۸]

حدودِ حرم کے اندر تمام انسانوں کو جو امن و امان اور صلح و آشتی کی ضمانت دی گئی تھی وہ رحمتِ الٰہی نے تقریباً تمام حیوانات، نباتات اور بیشتر جمادات کے لیے بھی عام کر دی تھی۔ حدیث و تاریخ کی متفقہ شہادت ہے جس کی تائید کسی حد تک قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے کہ حدودِ حرم میں جدال و قتال کرنا، کسی کو مارنا یا قتل کرنا یا کسی پر حملہ کرنا، حتیٰ کہ جانوروں کو مارنا یا درختوں اور گھاس پھوس کو کاٹنا تک ممنوع و حرام ٹھہرا۔ گناہ گاروں، مجرموں اور قاتلوں تک کو حدودِ حرم میں قتل کرنا ناجائز ٹھہرایا اور ان کو سزا دینے کے لیے حدودِ حرم سے باہر لے جانا لازمی قرار دیا۔ جانوروں اور پرندوں کے شکار پر بھی قدغن لگا دی گئی اور صرف موذی جانوروں کے مارنے کی اجازت دی گئی جو کلیہ قاعدہ کی استثنائی صورت تھی۔[۲۹] جان و مال کی ایسی حفاظتِ کامل کی ضمانت کسی اور مقدس و متبرک مقام اور کرۂ ارض کے کسی اور مکان کو کبھی بھی حاصل نہیں رہی۔[۳۰] قرآن مجید میں اسی سبب سے بیت اللہ کو "مثابۃ للناس" "مقامِ امن" اور شہر مکہ کو "بلدِ امین" اور "حرم آمن" کہا گیا ہے۔[۳۱]

بدویانہ زندگی کی خونریزیوں اور لاقانونی سیاست و سماج کی چیرہ دستیوں کے پس منظر میں اگر مکہ مکرمہ کے شہر پناہ اور جائے امن ہونے کی حقیقت کا تجزیہ کیا جائے تو اس کی اہمیت و عظمت کا واقعی اندازہ ہوتا ہے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ پورے جزیرہ نمائے عرب بلکہ معلوم دنیا کے بیشتر غیر متمدن علاقوں میں زندگی، مال اور عزت کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ خانہ بدوش قبائل اور جنگ کے خوگر عرب لٹیرے کھانے پانی اور مال و روزی کی تلاش میں سال کے مختلف اوقات میں ادھر ادھر مارے مارے پھرتے تھے اور شکار کی تاک میں رہا کرتے تھے۔ وہ ہر طرح کی بدامنی پھیلاتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے باشندوں کو بھی پیٹ پالنے کے لیے روزی روٹی کی تلاش اور ضرورت تھی اور چونکہ ان کا علاقہ "خرابۂ بے آب و گیاہ" یا "وادی غیر ذی زرع" تھا[۳۲] اس لیے ان کو بھی رزق کے ایسے وسائل کی ضرورت تھی جو ان

تک خود پہونچ سکیں اور ان کو اپنے شہرِ امن سے باہر نکل کر سرزمینِ خطرات میں نہ جانا پڑے۔
قرآن مجید نے اپنی دو سورتوں میں عربوں پر بالعموم اور باشندگانِ مکہ پر بالخصوص احسان جتایا ہے کہ ہم نے حرم کو جائے امن بنا دیا ہے جبکہ اس کے اردگرد بسے ہوئے یا پائے جانے والے لوگ کسی طرح محفوظ نہ تھے اور اس سے بڑھ کر یہ انعامِ الٰہی تھا کہ حرمِ مامون و محفوظ میں ہر طرح کے ثمرات ـــ غلہ و اناج، پھل اور میوے ـــ اس کے باشندوں کی راحت و آسائش کے لیے پہونچائے جاتے تھے۔[33] رزق رسانی کا ایسا انتظام تھا کہ گویا رزق خود چل کر ان تک پہونچتا تھا اور ان کو اس کی تلاش و حصول کے لیے حدودِ حرم سے بھی نکلنے کی ضرورت نہ تھی۔ فراہمیٔ رزق کا یہ انتظامِ الٰہی دراصل حاجیوں اور زائروں کے کاروانوں کے ذریعہ کیا گیا تھا۔ وہ محض حج کے موسم کے ساتھ محدود و محصور نہیں تھا بلکہ بیت اللہ کے ساتھ متعلق تھا۔ عمرہ و زیارت کے لیے سال بھر زائروں کا تانتا لگا رہتا تھا اور مکہ مکرمہ اور اس کے ملحقہ علاقے دوامی تجارت و کاروبار کے مرکز بن گئے تھے جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیت ۲ سے واضح ہوتا ہے۔[34] موسمِ حج میں مکہ مکرمہ میں تجارتی کاروبار نہ صرف اپنے عروج و کمال پر ہوتا تھا بلکہ وہ عالمی تجارتی منڈی میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ باشندگانِ حرم کی روزی روٹی کا انتظام سال بھر کے لیے موسمِ حج کی تجارت کی بنیاد پر ہو سکتا تھا اور کوئی کمی یا کسر رہ جاتی تھی تو وہ بارہ ماسی قافلوں اور کاروانوں اور تاجروں کی آمد اور تجارتی کاروبار سے پوری ہو جاتی تھی۔ قرآن مجید کے ان بیانات کی تصدیق تاریخ و سیرت کی شہادتوں سے ہوتی ہے اور مزید معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ جاہلی یا عہدِ اسلامی کے کسی مرحلے میں مکہ مکرمہ تاجروں کی آمد و رفت، رزق و سامانِ زندگی کی فراہمی اور اسبابِ نعمت و عیش کی ارزانی سے کبھی محروم نہیں رہا۔[35]

بیت اللہ الحرام اور مکہ مکرمہ کی تقدیس و تعظیم کی برکت تھی کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں بالعموم زائروں کے کاروان لوٹ مار سے محفوظ رہتے تھے۔ عہدِ جاہلی کے وحشی قبائل بھی عام طور سے ان پر ہاتھ اٹھانے سے احتراز کرتے تھے اور جو ان پر دست درازی کرتا تھا ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا کیونکہ وہ ضیوف اللہ (اللہ کے مہمان) اور زائرینِ بیت اللہ ہوتے تھے۔[36] قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان لوگوں پر شدید تنقید کی گئی ہے جو زائرینِ کعبہ اور عازمینِ مکہ مکرمہ کو عمرہ و زیارت سے روکتے یا ان کو ایذا پہونچاتے تھے۔[37] بیت اللہ کی زیارت سے روکنا نہ صرف عہدِ اسلامی میں گناہِ عظیم تھا بلکہ عہدِ جاہلیت میں بھی وہ گناہِ کبیرہ اور جرمِ فاحش سمجھا جاتا تھا۔[38] سورہ

حج کی آیت[۲۵] میں پروردگارِ عالم نے واضح اعلان کیا ہے کہ جو لوگ کفر کا ارتکاب کرتے اور راہِ الٰہی اور مسجدِ حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ تمام لوگوں کے لیے خواہ وہ اس کے باشندے ہوں یا باہر کے رہنے والے برابر جائے امن ہے وہ دردناک عذاب کے مستحق ہیں[۳۹] بنیادی طور سے یہ شہرِ حرام اور بلدِ امین کی حرمت و امانت کی توسیع تھی جو اس کے زائرین و عازمین کے لیے امن و آشتی کی ضمانت فراہم کرتی تھی۔ یہ کتنی حیرت ناک حقیقت ہے کہ نہ صرف حدودِ مکہ مکرمہ میں بسنے والے اور داخل ہونے والے محفوظ و مامون رہتے تھے بلکہ باہر سے آنے والے اپنے عزمِ زیارت و عمرہ کے سبب راستے میں امن و سلامتی کے سزاوار بن جاتے تھے۔

دوسری طرف قریشِ مکہ کو بالخصوص اور باشندگانِ مکہ مکرمہ کو بالعموم تولیت و خدمتِ کعبہ اور جوارِ حرم کی بنا پر پورے جزیرہ نمائے عرب میں تقدیس و تعظیم کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ دراصل وہ پورے عرب خطہ میں مذہبی سیادت و قیادت سے سرفراز تھے اور باہر کی دنیا میں بھی ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اسی سبب سے ان کے کاروانوں اور قافلوں کو ہر شاہراہ اور ہر علاقہ و دیار میں حفاظت و تحفظ کی ضمانت میسر تھی بلکہ بہت سے بدوی اور وحشی قبائل تو اپنے اپنے علاقوں میں ان کے بحفاظت تمام گزرنے کے لیے بدرقہ اور حفاظتی دستہ فراہم کرتے تھے[۴۰]۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ قریش میں باشندگان و تاجرانِ مکہ پر اپنے اس احسان عظیم کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے ان کی تالیفِ قلب کے لیے گرمی اور سردی کے موسموں میں دو الگ الگ مگر محفوظ سفرِ تجارت بنائے اور ان کو خوف سے امن اور بھوک سے نجات عطا کی[۴۱]۔ تاریخ کی ان گنت شہادتیں بتاتی ہیں کہ عہدِ جاہلی اور عہدِ اسلامی میں سال بھر قریشی کاروانِ تجارت بلاخوف و خطر منزلیں طے کرتے رہتے تھے اور اپنے مالکوں کی معیشت کے استحکام اور مالداری میں برابر اضافہ کرتے رہتے تھے۔ بلاشبہ قریشی اور مکی تجارتی اور غیر تجارتی قافلوں کی ملک گیر اور بین الاقوامی محفوظ و مامون آمد و رفت محض بلدِ امین کے باسی اور متولی ہونے کے سبب تھی گویا شہرِ امین کی حفاظت و امانت نہ صرف ان کو حدودِ حرم میں حاصل تھی بلکہ ان کے ساتھ ساتھ رہتی تھی خواہ وہ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ شہرِ امن و امان کی یہ صفت چند مخصوص حدود و علاقوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ وہ رحمت کی گھٹا بن کر ان کے سروں پر ہمیشہ سایہ فگن رہتی اور ان کے جان و مال کو بلاہائے انسانی سے محفوظ و مامون رکھتی تھی۔

قرآنِ کریم نے مکہ مکرمہ کی حرمت و امانت کو اشہرِ حرم (مقدس مہینوں) کی حرمت

وامانت سے جوڑ دیا ہے[۴۲] دوسرے الفاظ میں مکان کی حرمت وامانت کو زمان کی حرمت وامانت سے منسلک کر دیا ہے کہ موخر الذکر کے بغیر اول الذکر کی افادیت مکمل نہیں تھی کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو مکہ مکرمہ ایک ایسے محفوظ و مامون جزیرہ کی مانند ہوتا جو چاروں طرف سے فتنہ و فساد، انتشار وافراتفری اور لاقانونیت وبدویت کی طاقتوں سے یوں گھرا ہوتا کہ نہ تو اس سے باہر نکلنا ممکن ہوتا اور نہ اس میں داخل ہونا۔ تاریخ وحدیث کی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ وجدال اور لوٹ مار کے زمانے میں بالخصوص اور دوسرے مہینوں میں بالعموم تجارتی اور مذہبی قافلے خود کو محفوظ و مامون نہ جان کر آمد ورفت سے احتراز کرتے تھے اور اگر نکلنا ضروری ہو جائے تو فوجی دستوں کے ساتھ نکلتے تھے اور پھر بھی انھیں اپنی جان ومال اور آبرو پر حملہ کا ہر آن دھڑکا لگا رہتا تھا اور اکثر وبیشتر ان کی جنگجو اور لٹیرے قبیلوں اور گروہوں سے مڈبھیڑ ہو جاتی تھی۔

رحمتِ الٰہی نے سال کی بارہ مہینوں میں تقسیم کے وقت ہی ان میں سے چار مہینوں —— ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب —— کو ماہ حرام ومقدس (اشہر حرم[۴۳]) قرار دے دیا تھا جن میں ہر طرح کا فتنہ وفساد، جنگ وجدال، حملہ وقتال حرام تھا اور لوگ بلاخوف وخطر ہر جگہ آجا سکتے تھے اور سب سے بڑھ کر مکہ مکرمہ میں مناسک حج وعمرہ وزیارت اور تجارت ومعیشت کی خاطر پہونچ سکتے تھے۔ حرم مکہ کے باشندوں کے لیے ان مقدس مہینوں کی اہمیت دوچند تھی کہ ان کی معیشت وخوشحالی بڑی حد تک انھیں پر منحصر تھی۔ وہ خود بھی اُن پُرامن مہینوں میں ملکی اور بین الاقوامی تجارت کے لیے نکلتے تھے اور دوسری طرف جزیرہ نمائے عرب کے ہر کونے اور گوشے سے معاشی اور تجارتی قافلے جوق در جوق مکہ مکرمہ پہونچتے تھے گویا رزق وخوشحالی خود چل کر ان کے پاس پہونچتی تھی۔ مقدس مہینوں کے انتخاب میں بھی ایک بڑی حکمت پوشیدہ تھی اور وہ یہ تھی کہ تین ماہ تو ایک دوسرے سے متصل ہونے کے سبب امن کا زمانہ کافی طویل ہوتا تھا جن میں طویل مسافت کے سفر کیے جا سکتے تھے اور بخیر وعافیت گھر واپسی ہو سکتی تھی اور پھر پانچ ماہ کے بعد چوتھا مقدس مہینہ مقرر کیا گیا تھا تاکہ اس عرصہ کی پیدا کردہ تلخیٔ حیات کو شیرینیٔ حیات سے تبدیل کیا جا سکے۔ اس طرح حرمت وامانتِ مکہ مکرمہ کو زمانی حرمت وامانت سے متعلق کر کے رحمتِ الٰہی نے ساکنانِ حرم کو باشندگانِ عرب وعجم سے دوستانہ اختلاط ورابطہ کے بیش بہا مواقع فراہم کر دیے تھے اور ایک طرح سے ساری دنیا کو امن وامان اور چین وسکون کی وہ دولت عطا کی تھی جس سے بلد امین کے باسی لطف اندوز ہو رہے تھے۔

مکہ مکرمہ کی اسلامی فتح کے بعد شہرِ امین کی حرمت و امانت کو قائم و مستحکم کرنے کے لیے تین اہم قوانین نافذ کیے: اول یہ کہ مسجدِ حرام کے پاس یعنی حدودِ حرم میں مسلمانوں کو جنگ چھیڑنے سے منع کیا البتہ دشمنانِ اسلام اگر جنگ چھیڑیں اور جدال و قتال کریں تو دفاع کے لیے تلوار اٹھانے کی اجازت دی کیونکہ اگر ان کے حملہ و قتال کا دفاع نہ کیا جائے تو زیادہ بڑے فتنہ و فساد کے پھیلنے کا خطرہ ہے جو اسلام کی بنیادی روح کے خلاف ہے۔[۵۴] فقہاءِ اسلام نے اسی لیے قاتلوں، سازشیوں اور باغیوں کو حدودِ حرم سے پہلے پرامن طریقوں سے اور ان میں ناکامی کی صورت میں بزورِ شمشیر باہر نکالنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور اس صورت میں جو قتال و جدال ہوگا اس کی ذمہ داری مجرموں پر ہوگی اور مسلمان مجاہدوں کو دفاعی جنگ کا اجر ملے گا۔[۵۵] مگر اسی کے ساتھ دوسرا ضابطہ یہ مقرر فرمایا کہ دشمنی و عداوت کے باعث کسی قوم یا طبقہ کو مسجدِ حرام میں داخلہ سے روکا نہیں جا سکتا اور واضح کر دیا کہ مسجدِ حرام اور مکہ مکرمہ تمام لوگوں اور انسانوں کے لیے کھلا ہے اور مسلمان اپنی دشمنی اور عداوت و اختلاف کی بنا پر کسی کو وہاں آنے سے نہیں روک سکتے۔[۵۶] لیکن اس کے ساتھ ایک تیسرا ضابطہ یہ بھی مقرر کیا کہ اس شہرِ امن کے دروازے صرف اہلِ ایمان و اسلام کے لیے کھلے ہیں، کفر و شرک میں مبتلا افراد و اقوام کا داخلہ از روئے قرآنِ کریم ممنوع ہے کیونکہ وہ کفر و شرک میں ملوث ہونے کے سبب نجس محض ہیں اور گندگی کا حرمِ پاک میں داخلہ کیونکر ممکن ہے۔[۵۷] اس سے اہم سبب یہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مفسرین و مورخین کی تشریحات سے واضح ہوتا ہے کہ کفر و شرک فتنہ و فساد ہے جو اسلام یعنی امن و امان کی ضد ہے اور دونوں کی یکجائی بڑے فتنہ و فساد اور قتال و جدال کا سبب بن سکتی ہے اس لیے مشرکوں کو داخلہ کی اجازت نہ دے کر اس فتنہ کا ہمیشہ کے لیے استیصال کر دیا اور امن و امان کی ایک مستقل اور غیر مشتبہ ضمانت فراہم کر دی۔[۵۸]

بلدِ امین کی حرمت و تقدس کی ضمانت قرآن کریم نے دو طرح سے فراہم کی ہے: اول یہ کہ تمام اہلِ ایمان و ایقان اور حکومتِ وقت کا یہ فرضِ منصبی قرار دیا ہے کہ وہ تمام مادی وسائل و ذرائع کو بروئے کار لا کر دشمنانِ اسلام کی معاندانہ کارروائیوں کی سرکوبی کریں اور اپنے ایمان و اسلام کے اعتراف و شکر میں اپنے قبلہ و کعبہ کی حفاظت کریں۔[۵۹] چنانچہ اسلامی خلافت و حکومت کے تمام ادوار میں خلفاءِ رسول اور سلاطینِ وقت نے اس کے تحفظ و تقدس کا ہمیشہ خیال رکھا اور اس کی سعیِ مشکور کی۔ حتیٰ کہ مسلمان گروہوں کی سیاسی عصبیت اور ذاتی

رنجش بھی اس کے احترام واکرام کی راہ میں کبھی حائل نہیں ہوئی یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر اور خلیفۂ اموی عبدالملک بن مروان کی سیاسی آویزش اور مذہبی و سماجی اختلاف کے زمانے میں بھی جبکہ عالمِ اسلام عملاً دو آزاد و خودمختار علاقوں اور کئی طاقت کے مراکز میں تقسیم ہو چکا تھا تمام اسلامی گروہوں نے مکہ مکرمہ کے تقدس و حرمت پر آنچ نہیں آنے دی[۳] عہدِ اسلامی میں جب کبھی مکہ مکرمہ کی حرمت و امانت پر ضرب لگائی گئی وہ مرکزِ اسلام کے دشمنوں اور باغیوں اور ملتِ اسلامیہ کے غداروں نے لگائی۔ مگر وہ اپنی کوششوں میں ناکام رہے اور کبھی مسلمانوں کے ہاتھوں اور کبھی قادرِ مطلق کے غیر مرئی عذاب کے ذریعہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے[۲]

بلدِ امین مکہ مکرمہ کی حرمت کی ضمانت کا دوسرا انتظام خداوندی ہے۔ قرآن کریم واشگاف انداز میں اعلان کرتا ہے کہ جو شخص، گروہ یا جماعت اس کے تقدس و احترام کی خلاف ورزی کرے گی یا اس کے تحفظ و محافظت کے لیے خطرہ بنے گی وہ دردناک عذابِ الٰہی کی مستحق ہوگی۔ دنیا و آخرت میں اس کو رسوائی و بدنامی کے علاوہ ناکامی اور خسران کا سامنا ہوگا[۴] قادرِ مطلق نے بیت اللہ الحرام کی ہمیشہ حفاظت فرمائی ہے اور قرآن مجید و روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۂ فیل میں اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہونے والے لشکرِ ابرہہ کا ذکر ہیبت انگیز انداز میں کیا ہے اور اس کے انجامِ بد کو واضح کیا ہے[۵] دراصل وہ محض ماضی کے ایک واقعۂ ناخوشگوار کی تلمیح ہی نہیں بلکہ حال و مستقبل میں اس کی حفاظت و تحفظ کی ضمانت کا وعدۂ ربانی بھی ہے۔ قرآن کریم اور حدیث نبوی میں اس کی حفاظت اور اس کی حرمت و امانت کی جو ضمانت دی گئی ہے وہ تا قیامِ قیامت باقی رہنے والی ہے خواہ وہ حفاظتِ الٰہی کے معجزہ کی صورت میں ہو یا سرفروشانِ اسلام کی جانفشانی کی شکل میں۔ یا ان دونوں کے مجموعۂ خیر کی ناقابلِ تسخیر صورت میں۔

تعلیقات وحواشی

۱؎ سورہ التین آیت ۳ میں ارشاد الٰہی ہے: وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ (اور [قسم] اس شہر امن والے کی)۔ اس مضمون میں آیات قرآنی کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کی تفسیر موضح القرآن سے لیا گیا ہے جو تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی کا مطبوعہ ہے۔

۲؎ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء) تفسیر القرآن العظیم۔ طبع عیسی البابی الحلبی وشرکاہ، قاہرہ غیر مورخہ،
۲۷

جلد چہارم ص ۵۲۶-۵۲۷ ۔ نیز ملاحظہ ہو: تفسیر موضح القرآن، ص ۱۰۰

۳ مثلاً ملاحظہ ہو: شاہ عبدالقادر دہلوی، تفسیر موضح القرآن ص ۱۰۱؛ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۴ء، جلد ششم ص ۳۸۴-۳۸۷؛ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۵ء، جلد نہم ص ۴۳۷ اور ص ۴۴۳-۴۴۴

۴ قرآن مجید، سورہ بقرہ آیت ۱۲۵، سورہ مائدہ ۹۷

۵ قرآن مجید، سورہ آل عمران آیت ۹۶-۹۷ میں فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۝ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (تحقیق پہلا گھر جو ٹھہرا لوگوں کے واسطے، یہی ہے جو مکے میں ہے، برکت والا اور نیک راہ جہان کے لوگوں کو۔ اس میں نشانیاں ظاہر ہیں، کھڑے ہونے کی جگہ ابراہیم کی۔ اور جو اس کے اندر آتا اس کو امن ملا....)

۶ سورہ آل عمران آیت ۹۷ کا بقیہ حصہ یوں ہے: وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا، ومن کفر فان اللہ غنی عن العٰلمین (اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر، حج کرنا اس گھر کا، جو کوئی پاوے اس تک راہ۔ اور جو کوئی منکر ہوا تو اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی)

۷ سرسید احمد خاں، خطبات احمدیہ، نولکشور اسٹیم پریس لاہور غیر مورخہ، ص ۴۹۳-۴۹۵ (آٹھواں خطبہ)

۸ مولانا حمیدالدین فراہی، ذبیح کون ہے؟ اردو ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ طبع اول غیر مورخہ، ص ۴۷-۴۸ نیز باب اول کے دوسرے مباحث۔

۹ مولانا سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء، جلد پنجم ص ۲۴۲-۲۴۶ نیز ملاحظہ ہو مولانا شبلی نعمانی، سیرت النبی، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء، جلد اول ص ۱۵۲-۱۵۳

۱۰ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، اول ص ۳۲۶-۳۲۷

۱۱ اس خیال کے لیے ملاحظہ ہو: ابن کثیر، تفسیر، اول ص ۱۷۵ اور ص ۳۸۳؛ مودودی، تفہیم القرآن اول ص ۱۰۸-۱۱۲ اور مابعد؛ اصلاحی، تدبر قرآن، اول ص ۳۲۶-۳۲۷، دوم ص ۱۴۵-۱۴۶؛ سرسید احمد خاں، خطبات احمدیہ، ص ۴۹۳-۴۹۵ اور مابعد۔

۱۲ قرآن مجید، سورہ بقرہ ۱۲۵ کے الفاظ ہیں: واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل (اور جب اٹھانے لگا ابراہیم بنیادیں اس گھر کی، اور اسمٰعیل)

۱۳ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، اول ص ۱۵۲ حاشیہ ۱ نیز سیرت النبی، پنجم ص ۲۵۱-۲۵۲ میں

اس موضوع پر مفصل بحث ہے لیکن یہاں علامہ ندوی نے کعبہ کے بانی اول کا صریح ذکر نہیں کیا ہے۔ مفصل ترین بحث کے لیے ملاحظہ ہو سید سلیمان ندوی، ارض القرآن، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۵ء، اول ص ۱۵۷-۱۶۰ اور ص ۹۷

۱۴؎ ابوالولید محمد بن عبداللہ ازرقی، کتاب اخبار مکۃ المشرفۃ، مکتبہ خیاط، بیروت ۱۹۶۴ء، اول ص ۳۲-۳۰ اور مابعد۔ نیز ملاحظہ ہو سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، پنجم ص ۲۴۲

۱۵؎ مذکورہ جدید مورخین کے بیانات ملاحظہ ہوں۔ نیز ابن کثیر، تفسیر، اول ص ۲۸۳ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر کعبہ سے تعلق ابن لہیعہ کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۶؎ قرآن مجید، سورہ ابراہیم ۳۷ میں ہے: ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم .... (اے رب! میں نے بسائی ہے ایک اولاد اپنی میدان میں جہاں کھیتی نہیں، تیرے ادب والے گھر پاس ...)

۱۷؎ قرآن مجید، سورہ بقرہ ۱۲۶، سورہ ابراہیم ۳۵

۱۸؎ ازرقی، اخبار مکہ، اول ص ۳۵۱؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مرتبہ مصطفی السقا، ابراہیم الابیاری وعبدالحفیظ شلبی، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، قاہرہ ۱۹۵۵ء، جزو دوم ص ۶-۱۵

۱۹؎ ازرقی، اخبار مکہ، اول ص ۳۵۰-۳۵۰ اور مابعد؛ ابن کثیر، تفسیر، اول ص ۳۸۳-۳۸۴، ابن ہشام السیرۃ النبویہ، جزو دوم ص ۶-۱۵

۲۰؎ قرآن مجید، سورہ مائدہ ۲، ۹۷ اور سورہ بقرہ ۲۵، سورہ حج ۲۶

۲۱؎ قرآن مجید، سورہ بقرہ ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۹۱، ۱۹۶، ۱۹۸، ۲۱۷؛ سورہ مائدہ ۲؛ سورہ انفال ۳۴، سورہ توبہ ۷، ۱۹، ۲۸؛ سورہ اسراء ۱، سورہ الحج ۲۵؛ سورہ فتح ۴۸۔ مولانا مودودی، مولانا اصلاحی وغیرہ مفسرین کی تفسیروں میں آیات مذکورہ بالا کی تفسیر سے متعلق روایات ومباحث ملاحظہ ہوں۔

۲۲؎ ازرقی، اخبار مکہ، اول ص ۳۰۱-۳۰۲؛ مولانا مودودی، تفہیم القرآن، اول ص ۱۵۰-۱۵۱؛ مولانا اصلاحی تدبر قرآن، اول ص ۳۴۳-۳۴۴۔ نیز ملاحظہ ہو سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، پنجم ص ۲۲۶؛ محمد اسلم ملک، مکہ اور مدینہ کی قدیم تاریخ، نقوش رسول نمبر لاہور ۱۹۸۲ء جلد دوم ص ۲۰۳-۲۱۰

۲۳؎ ازرقی، اخبار مکہ، اول ص ۱۵۱-۱۵۶، محمد اسلم ملک، مذکورہ بالا، ص ۲۱۹-۲۲۰

۲۴؎ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مولانا مودودی، تفہیم القرآن اور دوسرے مفسرین کرام

کی تفسیریں آیات مذکورہ بالا کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔ بالخصوص تفہیم القرآن، سوم ص۲۱۵

۲۵؎ سورہ بقرہ ۱۹۱، ۱۹۶؛ سورہ مائدہ ۲، سورہ توبہ، سورہ حج ۲۵

۲۶؎ مکہ کی واضح حرمت کے بیان کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نمل ۹۱ کا صریح فرمان: انما امرت ان اعبد رب ھٰذہ البلدۃ الذی حرمھا... (مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو رکھا ادب کا...)

۲۷؎ تجدید انصاب حرم کے لیے ملاحظہ ہو ازرقی، کتاب اخبار مکہ، اول ص۱۵۰-۳۵۱؛ عہد نبوی میں تجدید حدود حرم کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب ORGANISATION OF GOVERNMENT UNDER THE PROPHET)، ادارۂ ادبیات دلی ۱۹۸۷ء، ص۳۶۷-۳۶۹

۲۸؎ یاقوت حموی، معجم البلدان، دار صادر بیروت ۱۹۵۶ء، جلد دوم ص۲۴۳؛ ازرقی، اخبار مکہ، اول ص۲۶۰-۲۶۱

۲۹؎ ازرقی، اخبار مکہ، اول ص۳۶۱-۳۶۷؛ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، اول ص۳۳۵؛ مولانا مودودی تفہیم القرآن، اول ص۲۷۴، حاشیہ ۸؛ نیز ملاحظہ ہو تدبر قرآن، اول ص۴۷-۴۹

عہد جاہلیت میں قریش مکہ اور دوسرے عرب قبائل نے بھی حرم کے تقدس کا بہرحال خیال رکھا تھا۔ چنانچہ کسی قتل وجدل اور خونریزی اور حملہ کرنے کا حوالہ نہیں ملتا۔ بعثت نبوی کے بعد جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو واقعہ رجیع میں قیدی بنالیا اور مکہ میں ان کے دشمنوں نے ان کو قصاص میں قتل کرنا چاہا تو ان کو حدود حرم سے باہر لے گئے تھے اور وہاں قتل کیا تھا۔ ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جزو دوم ص۱۶۹-۱۷۱ روایت کے مطابق انھوں نے حضرت خبیب کو مقام تنعیم میں اشہر حرم کے گزرنے کے بعد قتل کیا تھا۔ ایضاً ص۱۷۱

فتح مکہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ مکہ میں دیا تھا اس میں آپ نے حدود حرم کے تقاضوں اور مطالبوں کو واضح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہاں ہر طرح کا فتنہ وفساد ممنوع ہے اور اس کی حرمت ہمیشہ سے قائم ہے۔ خطبہ نبوی کے بنیادی نکات یہ تھے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی تھی اسی دن مکہ کو حرام قرار دیا تھا اور وہ اس دن سے قیامت تک حرام ہے۔ اس کی حرمت کو حلال کرنا کسی ایمان والے کے لیے جائز نہیں اور نہ اس کو حق ہے کہ وہ اس میں خونریزی کرے یا کسی درخت کو کاٹے۔ وہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا اور میرے لیے بھی صرف اس مخصوص ساعت میں حلال ہوا تھا تاکہ اس کے باشندوں پر غضب الٰہی کا اظہار ہو۔ خبردار! اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جیسی وہ کل تھی.... ملاحظہ ہو ابن ہشام، السیرہ النبویہ، جزو دوم ص۴۱۵-۴۱۶؛ مودودی، تفہیم القرآن، اول ص۲۱۸-۲۱۷ حاشیہ ۴۴

۳۰؎ مذکورہ بالا۔

۳۱ـ سورہ بقرہ ۱۲۵، سورہ التین ۳ اور سورہ العنکبوت ۶۷

۳۲ـ عہد جاہلیت کی بدوی زندگی پر سیرت نبوی اور تاریخ اسلام کے ابتدائی ابواب ملاحظہ کیجئے۔ مثلاً شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۱۶۵-۶ اور مابعد۔

۳۳ـ قرآن مجید، سورہ القصص ۵۷ میں ارشاد باری ہے: اولم نمکن لہم حرما آمنا یجبیٰ الیہ ثمرات کل شیء رزقا من لدنا (کیا ہم نے جگہ نہیں دی ان کو، ادب کے مکان پناہ کی؟ کھچے آتے ہیں اس طرف میوے، ہر چیز کی روزی، ہماری طرف سے ....) نیز ملاحظہ ہو سورہ عنکبوت آیت ۶۷ میں ارشاد باری ہے اولم یروا انا جعلنا حرما آمنا ویتخطف الناس من حولہم... (کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی، اور لوگ اچکے جاتے ہیں ان کے آس پاس سے ...)

۳۴ـ سورہ مائدہ آیت ۲ یہ ہے: یا ایہا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشہر الحرام ولا الہدی ولا القلائد ولا آمین البیت الحرام یبتغون فضلا من ربہم ورضوانا... (اے ایمان والو! حلال نہ سمجھو اللہ کے نام کی چیزیں، اور نہ ادب والا مہینہ، اور نہ نیاز کے جانور جو کعبے کو جاویں اور نہ گلے میں پٹکن والیاں، اور نہ آنے والوں کو ادب والے گھر کی طرف کہ ڈھونڈھتے ہیں فضل اپنے رب کا اور خوشی....)

۳۵ـ مکہ کی تجارت پر ملاحظہ فرمائیے مولانا شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۱۶۳-۸، ص ۱۷۸، ص ۱۸۵-۹، ص ۱۹۶-۸ اور مابعد

۳۶ـ مولانا مودودی، تفہیم القرآن، سوم ص ۲۱۹ حاشیہ ۴۸؛ اول ص ۲۷۴-۵ حاشیہ ۸۰-۸۱ اور ص ۵۰۵-۶، حاشیہ ۱۱۳۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ کے طرز عمل کی تنقید ملاحظہ ہو جو احابیش کے سردار حلیس نے کی تھی اور جس کا حوالہ حاشیہ ۳۸ میں ہے۔

۳۷ـ قرآن مجید، سورہ بقرہ ۲۱۷، سورہ انفال ۳۴ اور سورہ حج ۲۵۔ نیز ملاحظہ ہو سورہ فتح ۴۸

۳۸ـ مثال کے طور پر صلح حدیبیہ کے موقع پر احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ یا ابن زبان نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان زائروں کے ساتھ قربانی کے جانور دیکھ کر قریش مکہ سے ان کے داخلہ اور عمرہ کرنے پر بحث کی تھی اور قریشی اقدام کو صد سبیل سے ہم پلہ قرار دیا تھا۔ ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جزو دوم ص ۳۱۲۔

۳۹ـ سورہ حج آیت ۲۵ کے الفاظ ہیں: ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام الذی جعلناہ للناس سواء ن العاکف فیہ والباد، ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم (جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور

ادب والی مسجد سے جو ہم نے بنائی سب لوگوں کے واسطے، برابر ہے اس میں لگا رہنے والا اور باہر کا اور جو اس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے، اسے ہم چکھا دیں گے ایک دکھ کی مار۔)

۴۰ھ بحث کے لیے ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص۱۶۶-۱۶۷؛ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن اول ص۳۳۴-۳۳۵ مولانا شبلی لکھتے ہیں: عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کرکے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہونچائیں گے جس کے صلے میں کاروان قریش ان قبائل میں ان کی ضرورت کی چیزیں خود لے کر جائے گا اور ان سے خرید و فروخت کرے گا۔" یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔" مولانا شبلی نے امالی ابوعلی قالی کے حوالے سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ قریش کی سیادت کے لیے ملاحظہ ہو ص۱۶۲-۱۶۵

۴۱ھ قرآن مجید، سورہ قریش: لایلف قریش ایلفهم رحلة الشتاء والصيف فليعبدوا رب هٰذا البيت الذى اطعمهم من جوع وامنهم من خوف (اس واسطے کہ بلا رکھا قریش کو، بلا رکھنا ان کو، کوچ سے جاڑے کے اور گرمی کے، تو چاہیے بندگی کریں اس گھر کے رب کی، جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں۔) نیز تفسیر موضح القرآن، ص۱۰۰۹ حاشیہ ۱

۴۲ھ قرآن کریم، سورہ بقرہ ۲۱۷، سورہ توبہ ۳۶۔ موخر الذکر آیت کے الفاظ ہیں: ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فى كتاب الله يوم خلق السموات والارض منها اربعة حرم (مہینوں کی گنتی اللہ پاس بارہ مہینے ہیں، اللہ کے حکم میں، جس دن پیدا کیے آسمان و زمین، ان میں چار ہیں ادب کے ....) نیز ملاحظہ ہو تفسیر موضح القرآن ص۲۱۶ حاشیہ ۱

۴۳ھ ایضاً۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، اول ص۳۳۴-۳۳۵؛ سوم ص۵۴

۴۴ھ قرآن مجید، سورۂ بقرہ ۱۹۱: ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقاتلوكم فيه (اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام پاس جب تک وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ)؛ الا الذين عاهدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لكم فاستقيموا لهم (سورہ توبہ ۷) (مگر جن سے تم نے عہد کیا مسجد الحرام کے پاس۔ سو جب تک تم سے سیدھے رہیں، تم ان سے سیدھے رہو....)

۴۵ھ ابن کثیر، تفسیر، اول ص۲۲۶-۲۲۷؛ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، اول ص۴۴۸-۴۴۷؛ ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن، اول ص۲۱۷-۲۱۸ حاشیہ ۲۳۲؛ سوم ص۲۱۵-۲۱۹ حاشیہ ۴۲-۴۳

۴۶ھ سورہ مائدہ ۲: ولا يجرمنكم شنان قوم ان صدوكم عن المسجد الحرام ان تعتدوا (اور باعث نہ ہو تم کو ایک قوم کی دشمنی کہ تم کو روکتے تھے ادب والی مسجد سے اس پر کہ

زیادتی کرو) نیز ملاحظہ ہو: مولانا اصلاحی، تدبر قرآن، جلد دوم ص۵۴۴-۵۴۵؛ مولانا مودودی، تفہیم القرآن، اول ص۲۴۴ حاشیہ ۸
۴۷ سورہ توبہ ۲۸: انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا (مشرک جو ہیں سو پلید ہیں، سو نزدیک نہ آویں مسجد حرام کے اس برس کے بعد) شاہ عبدالقادر دہلوی، تفسیر موضح القرآن ص۲۳۱ حاشیہ ۲؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، جزو دوم ص۵۴۵-۵۴۶؛ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، اول ص۴۷۶ اور بعد

۴۸ ابن کثیر، تفسیر، جلد دوم ص۳۴۶-۳۴۷؛ مولانا مودودی، تفہیم القرآن، دوم حاشیہ ۲۵، ص۱۸۶-۱۸۷؛ مولانا اصلاحی، تدبر قرآن، اول ص۴۷۶-۴۸۰؛ سوم ص۵۴۰-۵۴۲ اور ص۵۵۶-۵۵۷

۴۹ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، اول ص۴۷۹ ... "پھر حرم الٰہی کو مستقل طور پر کفر و شرک کے غلبہ سے پاک رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہوا کہ اس پورے علاقہ کو غیر اسلامی قبضہ یا مداخلت سے بالکل محفوظ کر دیا جائے جس میں یہ حرم واقع ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے جزیرہ عرب کے متعلق یہ ہدایت دے دی کہ لا یجتمع فیہ دینان (اس میں دین حق کے ساتھ کوئی اور دین جمع نہیں ہو سکتا اور آخر وقت میں آپ نے یہود و نصاریٰ کو بھی اس سرزمین سے نکال دینے کی وصیت فرمائی جس کی تعمیل حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں کی یہ تدبیر مرکز اسلام کے سیاسی تحفظ کے لیے ضروری تھی اور یہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس گھر کے تحفظ کے لیے ہمیشہ بیدار رہیں اور کسی بھی غیر اسلامی طاقت کے قدم اس سرزمین پر جمنے نہ دیں"۔

۵۰ یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں حج کے موقعہ پر حدود حرم میں چار الگ الگ عَلَم تھے جن کے علم برداران کے نیچے جمع تھے: (۱) خلیفہ حرمین کا علم (۲) خلیفہ اموی عبدالملک بن مروان کا علم (۳) حضرت محمد بن الحنفیہ کا غیر جانبدار علم اور (۴) اسلام دشمن خوارج کا علم۔ ملاحظہ ہو جوزف ہورووِٹس، سیرت نبوی کی اولین کتابیں، اردو ترجمہ نثار احمد فاروقی، رسول نمبر نقوش لاہور ۱۹۸۲ء اول ص۵۷؛ موسیٰ بن عقبہ کی یہ روایت طبری ۲/۷۸۲ اور ابن حجر ۳۶۲ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔

۵۱ قرامطہ نے حرمت مکہ مکرمہ کو پامال کیا تھا اور بالآخر وہ اپنے انجام کو پہونچے ملاحظہ ہو: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۵ء: قرامطہ۔

۵۲ قرآن مجید، سورہ حج ۲۵: ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم (اور جو اس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھا دیں گے ایک دکھ کی مار)

۵۳ سورہ فیل کی تفسیر کے لیے ملاحظہ ہو: ابن کثیر، تفسیر چہارم ص۵۲۸-۵۳۱؛ حمید الدین فراہی، تفسیر سورہ فیل، اردو ترجمہ، دائرہ حمیدیہ سرائے میر طبع دوم۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، نہم ص۵۵۷-۵۶۶؛ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ششم ص۴۶۲-۴۷۲ اور دوسری تفاسیر۔